ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.2 (2026)
(April to June)

اختر رضا سلیمی کے ناول "جاگے ہیں خواب میں" کا نو تاریخی مطالعہ

A New Historicist Study of Akhtar Raza Saleemi's Novel Jaagay Hain Khwab Mein

محمد ذوالفقار علی بھٹی
پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ اُردو، مائی یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر صلاح الدین درویش
اسسٹنٹ پروفیسر، ملحقہ فیکلٹی، شعبہ اُردو، مائی یونیورسٹی، اسلام آباد

Muhammad Zulfiqar Ali Bhatti
Ph.D Scholar, Department of Urdu, MY University, Islamabad
Dr. Salah-ud-Din Derwesh
Assistant Professor, Adjacent faculty, Department of Urdu, MY University, Islamabad

Article Details
Received:
May 20, 2026
Accepted:
May 25, 2026
Online Published:
June 30, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: New Historicism views literary texts as cultural products that are deeply embedded in the historical, social, political, and ideological conditions of their time. Rather than treating history as a fixed and objective record, this critical approach examines the reciprocal relationship between literary discourse and historical narratives. Akhtar Raza Saleemi's novel Jaagay Hain Khwab Mein presents a rich tapestry of historical, mythical, religious, and cultural references that reconstruct the past through a contemporary literary lens. The novel incorporates historical personalities, folklore, regional traditions, and collective memory to explore questions of identity, power, and cultural consciousness. This study applies the principles of New Historicism to analyze how the novel reinterprets historical events and figures, revealing the dynamic interaction between text and history. It argues that Saleemi transforms historical material into a living narrative that challenges conventional historical representations and offers alternative perspectives on the cultural heritage of the region. The study concludes that Jaagay Hain Khwab Mein is a significant contribution to contemporary Urdu fiction, demonstrating how literary imagination reshapes historical consciousness through New Historicist discourse.

Key words: Akhtar Raza Saleemi,New Historicism, Urdu Novel, Historical Consciousness, Cultural Memory, History and Literature

تاریخ اور ثقافت ہمیشہ ادب میں ساتھ ساتھ چلتیں ہیں ۔ معاشرے میں موجود تمام افراد مل کر ایک تاریخ مرتب کر رہے ہوتے ہیں جس میں تمام ثقافتی پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں ۔ معاشرے میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے ۔ نئی آوازیں ادب میں شامل ہوتی ہیں ۔ متن کی معنویت اضافہ ہوتا ہے ۔ ادب میں موجود درزوں ، خاموش آوازوں ، معاشرے کے دبے ہوئے افراد کا دوبارہ مطالعہ کے لیے نوتاریخیت کی اصطلاح موجود ہے ۔ یہ تاریخ کے دوسرے رخ یا جو تاریخ بیان ہونے سے رہ گئی ہو ، اس کو سامنے لاتی ہے ۔ تاریخ کا یہ نیا پہلو طاقت اور سیاست کی باز آفرینی کے لیے

بین المتونی تاریخی اصول نقد سے کام لیتی ہے اور اختلاف یا اشتراک کو پیش کرتی ہے ۔ ادبی متون کے علاوہ غیر ادبی متون کا مطالعہ کرتی ہے اور ثقافتی رویوں کو نئے معانی دیتی ہے ۔ پروفیسر عتیق اللہ لکھتے ہیں:

> "نو تاریخیت قرآت کا ایک خاص طریقہ ہے جس کا اصرار متن کے نہایت غایر مطالعے پر ہے ۔ نو تاریخیت یہ بتاتی ہے کہ کسی بھی فن پارے کو کس طرح پڑھنا چاہیے اور دیگر متون جیسے اقتصادیات ، طبی دستاویزات اور قانونی کتابچوں وغیرہ کے علاوہ متنی سیاقات کی روشنی میں اس کی تفہیم کیسے کی جا سکتی ہے۔"(۱)

تاریخ کے متن کی اس نئی قرآت میں ایک عہد کے مختلف واقعات کا مختلف طریقوں سے مطالعہ کیا جاتا ہے خاص کر کے جو واقعات جبر کے تحت رونما ہوتے ہیں۔ ان کو اجاگر کرتی ہے ۔ ادیب کی زندگی پر دباؤ ڈالنے والے عناصر، خاندانی روایات، مذہبی اور نیم مذہبی عقائد و رسوم کا سراغ لگاتی ہے۔ تاریخ کی متنیت اور متون کی تاریخیت کا دوسرا نام نو تاریخیت ہے۔اختر رضا سلیمی کے ناول " جاگے ہیں خواب میں "کا نو تاریخی تناظر اس کی ایک نئی قرآت ہے۔ یہ ناول ۲۰۱۵ میں شائع ہوا ۔اس ناول میں کئی تاریخی کرداروں کا ذکر ہے۔ مصنف نے اپنے ناول میں راجہ رسالو کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

> "ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ راجہ رسالو کی بیوی رانی کوکلاں اور ایک آدم خور دیو کہیں چھپ کر ایک دوسرے پر فریفتہ ہو رہے تھے۔ راجہ کی بیوی کے ساتھ طوے اور مینا کی ایک جوڑی بھی تھی۔ وہ دونوں اپنی رانی کو آدم خور دیو کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے۔ مینا سے رہا نہ گیا، اس نے رانی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ رانی نے غصے میں آ کر مینا کی گردن مروڑ دی۔ مینا کا انجام دیکھ کر طوطا اڑ کر رجوعیہ کے میدان میں پہنچ گیا۔ جہاں راجہ بے خبر سویا ہوا تھا۔ طوطے نے دریائے دوڑ میں اپنے پروں کو بھگو کر پانی راجہ رسالو کے منہ پر چھڑکا، پانی کے چھینٹے منہ پر پڑتے ہی وہ جاگ اٹھا۔ راجہ کے جاگتے ہی طوطے نے اسے سارا ماجرہ کہہ سنایا راجہ نے طوطے کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ کر اپنی بیوی کو قتل کر دیا جب کہ دیو گھبرا کر بھاگ نکلا، اور اوپر وادی میں موجود پریوں والی غار میں آ چھپا۔ راجہ نے غار کا دہانہ ایک بڑی چٹان سے بند کر دیا لیکن جیسے ہی راجہ اسے بند کر کے نیچے اترا دیو نے زور لگایا اور چٹان تیزی سے سرکتی ہوئی راجہ کے پیچھے پیچھے میدان میں پہنچ گئی۔ وہ میدان کے آخری سرے سے نیچے گرنے والی تھی کہ راجہ نے اسے اپنے بائیں ہاتھ سے روک لیا۔ دیو نے

یہ منظر دیکھا تو وہ مزید گھبرا گیا اور میلوں دور گند گر پہاڑ کی ایک غار میں جا چھپا۔ جس کا دہانہ راجہ نے ایک اس سے بھی بڑی چٹان سے بند کر دیا اور چٹان کے اندرونی طرف ایک تیر کی مدد سے اپنی تصویر کندہ کر دی۔ جسے دیکھ کر دیو ڈر گیا اور اس نے وہاں سے نکلنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بستی والوں کے بقول وہ دیو آج بھی وہاں بند ہے اور یہ کہ اس کے گرجنے اور کراہنے کی اواز گند گر پہاڑ سے اب بھی کبھی کبھی آتی ہے"(۲)

راجہ رسالو کا تعلق سیالکوٹ کے گجر قبیلے کی ایک گوت **ہُن** سے تھا، جو خود کو مہر یا میہر بھی کہلاتی ہے۔ مہر بھوج اسی خاندان کا ایک نامور اور مقتدر حکمران گزرا ہے۔ راجہ رسالو کے والد کا نام سالباہن اور والدہ کا نام رانی لونا تھا، جبکہ سالباہن کی دوسری بیوی رانی اچھراں تھی، جس کے نام پر لاہور کی قدیم بستی اچھرہ منسوب ہے۔ رانی اچھراں ہی کے بطن سے معروف تاریخی و لوک داستانی کردار پورن بھگت پیدا ہوا۔ دوسری صدی عیسوی میں راجہ رسالو نے اقتدار سنبھالا اور اس کی سلطنت سیالکوٹ سے پوٹھوہار کے علاقے، موجودہ راولپنڈی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں ٹیکسلا پر راجہ سرکپ کی حکومت تھی، جس کا دائرۂ اقتدار ہزارہ اور سوات کے علاقوں تک وسیع تھا۔ روایت کے مطابق راجہ رسالو سیاحت اور اپنی سلطنت کی توسیع کے ارادے سے پوٹھوہار پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ راجہ سرکپ اپنی رعایا پر ظلم و ستم ڈھاتا ہے۔ اس اطلاع پر اس نے ٹیکسلا پر حملہ کیا، راجہ سرکپ کو معزول کر دیا اور اس کی بہن رانی کوکلاں سے شادی کر کے حکومت اس کے سپرد کر دی، جبکہ خود مزید فتوحات کی غرض سے ہری پور ہزارہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

روایات کے مطابق، راجہ رسالو اپنی مہمات میں مصروف تھا کہ اس دوران اس کی بیوی گند گر پہاڑ (جس کے دامن میں آج تربیلا ڈیم واقع ہے) کے جنگلات میں ایک دیو سے محبت کرنے لگی۔ رانی کے ساتھ ایک طوطا اور ایک مینا بھی تھے۔ جب مینا نے رانی کے اس عمل پر اعتراض کرتے ہوئے راجہ کو اطلاع دینے کی دھمکی دی تو رانی نے غصے میں آ کر اس کی گردن مروڑ دی۔ یہ منظر دیکھ کر طوطا فوراً اڑ گیا اور رجوعیہ کے میدان میں پہنچا، جہاں راجہ رسالو آرام کر رہا تھا۔ طوطے نے راستے میں دریائے دوڑ کے پانی سے اپنے پر تر کیے اور راجہ کے چہرے پر پانی کے قطرے چھڑکے، جس سے وہ بیدار ہو گیا۔ اس کے بعد طوطے نے پوری روداد راجہ رسالو کو سنا دی، جس پر وہ فوری طور پر واپس روانہ ہوا۔ اس روایت نے راجہ رسالو کی داستان کو مقامی لوک ادب، تاریخی حافظے اور اساطیری عناصر کے امتزاج سے ایک منفرد حیثیت عطا کر دی ہے۔

طوطے نے راجہ رسالو کو سارا واقعہ سنا دیا تو وہ شدید غصے میں آ گیا اور برق رفتاری سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس مقام پر پہنچا جہاں رانی دیو کے ساتھ موجود تھی۔ روایت کے مطابق راجہ رسالو نے طیش میں آ کر رانی کو قتل کر دیا، جبکہ دیو جان بچانے کے لیے ایک تاریک غار میں جا چھپا۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق راجہ رسالو نے ایک بڑے پتھر پر اپنی تصویر کندہ کروا کر غار کے دہانے پر رکھ دی۔ کہا جاتا ہے کہ جب بھی دیو غار سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا، پتھر پر کندہ راجہ کی تصویر دیکھ کر خوف زدہ ہو کر واپس لوٹ جاتا۔ مقامی روایات کے مطابق ایک طویل عرصے تک اس پہاڑ سے خوفناک آوازیں سنائی دیتی رہیں، جنہیں لوگ اسی دیو کی گرج اور کراہ سمجھتے تھے۔ اس روایت کی تائید میجر ایبٹ، بانیِ ایبٹ آباد، نے بھی اپنے مشاہدات میں کی ہے۔ ان کے مطابق علاقے کے باشندے اس پہاڑ سے آنے والی پراسرار آوازوں کا ذکر کرتے تھے۔ اسی طرح شہنشاہ جہانگیر نے تزکِ جہانگیری میں لکھا ہے کہ حسن ابدال سے تقریباً

پانچ میل شمال کی جانب قیام کے دوران مقامی لوگوں نے انہیں بتایا کہ گند گر پہاڑ سے بادلوں کی گرج جیسی آوازیں سنائی دیتی ہیں، حالانکہ آسمان بالکل صاف ہوتا ہے اور بادلوں کا کوئی نام و نشان نہیں ہوتا۔ اس طرح گند گر، تربیلا اور غازی کے علاقے سے وابستہ یہ رزمیہ داستان تقریباً دو ہزار سال سے مقامی تاریخی اور ثقافتی حافظے کا حصہ چلی آ رہی ہے اور آج بھی اس خطے کی لوک روایت میں زندہ ہے۔

ناول میں اس نوع کی تاریخی، نیم تاریخی اور لوک روایات کو محض قصے کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ نو تاریخی تناظر میں ان کی معنویت کو از سرِ نو دریافت کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راجہ رسالو کے ساتھ ساتھ سید احمد بریلوی جیسے تاریخی کردار بھی ناول کے بیانیے میں شامل ہو کر ماضی اور حال کے درمیان ایک بامعنی ربط قائم کرتے ہیں۔ اختر رضا سلیمی ناول میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "سید احمد بریلوی نے موضع بالا کوٹ میں جا کر ڈیرے جما لیے۔ قیام بالا کوٹ کے دوران میں خطے کے وہ تمام لوگ، جو سکہ شاہی کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے تھے، جوق در جوق آ کر ان کے ہاتھ پر بیت کرنے لگے اور اپنا مال و متاع ان کے قدموں میں ڈھیر کرنے لگے۔"(۳)

سید احمد بریلوی ۲۹۔ نومبر ۱۷۸۶ء کو بھارت کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے گھڑ سواری اور سپاہیانہ کھیلوں کا شوق تھا۔ والد کی وفات کے بعد تلاش معاش میں لکھنؤ اور دہلی کے سفر کیے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ عبدالقادر دہلوی کی صحبت میں دینی منازل طے کیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحریک کو لے کر میدان عمل میں قدم رکھا۔ اس وقت پنجاب پر سکھوں کا قبضہ تھا اور بقیہ ہندوستان پر انگریزوں کا۔ سید احمد بریلوی نے مسلمانوں کو اسلام کے پرچم تلے جمع کیا۔ انہوں نے اپنی تحریک کا آغاز ہندوستان کی شمال مغربی سرحد سے کیا۔ سکھوں سے جنگ کر کے مفتوحہ علاقوں میں اسلامی قوانین نافذ کیے۔ لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کوششوں سے انہیں بالا کوٹ کے میدان میں ۱۸۳۱ میں شہید کر دیا گیا۔ ناول کے تاریخی کرداروں میں ایک کردار آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا بھی ہے جن کا تذکرہ اختر رضا سلیمی نے یوں کیا ہے۔

> "اگر آپ یہاں تشریف نہ لاتے۔ تو میں خود نور آباد آپ سے ملنے آتا۔ سنا ہے آپ نے بہت خوبصورت بستی بسائی ہے۔ میں نور آباد تو نہیں گیا مگر اس کے کہیں آس پاس ہی سے گزر کر مارگلہ کی پہاڑیوں پر گیا تھا؛ سکھ افواج کے پنڈی میں ہتھیار ڈالنے کا منظر دیکھنے کے لیے، سکھوں نے آپ لوگوں پر بہت ظلم ڈھائے۔ اس وقت اگر ہماری کمپنی کی حکومت ہوتی تو یقیناً ایسے حالات پیدا نہ ہوتے اور ہم خلیفہ صاحب کو بھی بخوشی کشمیر جانے دیتے بلکہ ہم ان کی حفاظت کے لیے فوج کا ایک دستہ بھی ساتھ بھیجتے۔ ہم نے آج تک شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر کا احترام ملحوظ رکھا ہے وہ بھی ہمارا احترام کرتے ہیں۔"(۴)

بہادر شاہ ظفر مغلیہ خاندان کے آخری چشم و چراغ ہیں۔ تیموری شان و شوکت کی پرچھائیاں آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھیں۔ مغلیہ خاندان کا اجالا ختم ہو رہا تھا۔ بہادر شاہ ظفر لال قلعے میں ہی پیدا ہوئے اور یہیں پر پل بڑھ کر جوان ہوئے۔ انگریزوں کے تعاون سے انہیں تاج و تخت مل گیا لیکن اختیارات چھن گئے۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"بے اختیاری نے انہیں مجسم غم بنا دیا تھا لیکن رعایا کے خلوص و محبت نے انھیں زندہ رہنے کا حوصلہ دیا۔ شاعری نے بھی ان کے دل مضطرب کو تسکین دی، انہوں نے شاہ نصیر اور ذوق سے اصلاح لی ذوق کی وفات پر مرزا غالب کو استاد مقرر کیا۔ ۱۸۵۷ میں سقوطِ دہلی ہوا تو انگریز ظفر کو رنگون لے گئے اور وہیں کسمپرسی اور غریب الوطنی کی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔(۵)"

اسی طرح ناول میں ایک اہم تاریخی کردار مہاراجہ اشوک کا ہے۔ جس کے بارے میں ناول نگار لکھتا ہے۔

"یہ مہاراجہ اشوک کا ساتواں فرمان ہے. اس نے اپنے دور حکومت میں کئی فرمان کندہ کرائے۔ جن میں سے ۱۴ فرمان مانسہرہ میں بریڑی کے مقام پر دریافت ہو چکے ہیں۔ یقیناً ایسے فرمان یہاں اور چٹانوں پر بھی موجود ہوں گے۔(۶)"

اشوک موریہ خاندان کا تیسرا حکمران تھا۔ جو چندر گپت موریہ کا پوتا اور بندوسار کا بیٹا تھا۔ یہ ۳۰۴ قبل مسیح پیدا ہوا اور ۲۳۲ قبل مسیح وفات پا گیا۔ اس کی سلطنت بنگلہ دیش، پاکستان، انڈیا اور افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اشوک کے ہاتھوں ایک لاکھ افراد مارے گئے لیکن وہ دکھی ہو کر برہمن دھرم کو چھوڑ کر بدھ مت مذہب اختیار کیا اور خون ریزی کو ممنوع قرار دیا۔ اشوک کے فرامین پر مشتمل ۳۳ سنگی تحریروں کا پتہ چل سکا ہے۔ لیکن آج سے کئی سو سال پہلے دنیا نہیں جانتی تھی کہ ان پتھروں پر جو کچھ لکھا ہے یہ کون سی زبان ہے اور اس کا مطلب کیا ہے۔ ان سنگی تحریروں کو پڑھنے کے بعد دنیا کو معلوم ہوا کہ اشوک کون تھا اور اس کے دور کو ہندوستان بھر میں بدھ مت کے لیے عہد زریں قرار دیا گیا۔ مانسہرہ میں لکھے ہوئے سنگی کتبے کا خلاصہ ہے کہ نیکی کرنا مشکل کام اور گناہ کرنا آسان لگتا ہے۔ اگر میرے بعد آنے والے میری پیروی کریں گے تو مجھے خوشی ہو گی۔ انہیں نیکی کو عام کرنا ہو گا۔ رعایا کی خبر گیری کریں ضرورت مندوں اور مظلوموں کی مدد کریں۔ یہ تحریر میں نے پتھروں پر کھدوائی ہیں تاکہ یہ عرصے تک قائم رہے اور میری نسل بھی میرے احکامات کی پابند رہے۔ ناول میں تاریخی کرداروں کے حوالے سے ایک اہم کردار مہاتما بدھ کا ہے۔ ناول کا ہیرو جب خواب سے بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنے ارد گرد لوگوں کو پہچانتا نہیں۔ اس صورت حال میں ناول نگار تاریخی کردار کا ذکر یوں کرتا ہے۔

"یہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ لیکن میں خود کو کیوں نہیں پہچان پا رہا؟ مہاتما کی تعلیمات نے مجھے اپنی ذات کا عرفان بخشا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو میں آج بھی ذات کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا ہوتا۔" (7)

بدھ مت کے بانی گوتم بدھ تھے، جن کا اصل نام **شہزادہ سدھارتھ گوتم** تھا۔ وہ شمالی ہندوستان کی قدیم ریاست **کپل وستو** کے راجہ شدھودن کے فرزند تھے۔ کپل وستو موجودہ نیپال کی سرحد کے قریب واقع ایک تاریخی ریاست تھی۔ سدھارتھ کا تعلق شاکیہ قبیلے سے تھا اور وہ ۵۶۳ قبل مسیح میں لمبنی کے مقام پر پیدا ہوئے، جو آج کل نیپال میں واقع ہے۔ سولہ برس کی عمر میں ان کی شادی اپنی ہم عمر چچازاد یشودھرا سے ہوئی۔ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان کی پرورش نہایت پر تعیش ماحول میں ہوئی، تاہم وہ بچپن

ہی سے زندگی کے حقیقی مفہوم اور انسانی وجود کے مسائل پر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ جب انہوں نے انسانی زندگی میں غربت، بیماری، بڑھاپے اور موت کی ناگزیر حقیقت کا مشاہدہ کیا تو ان پر یہ احساس گہرا ہوا کہ دنیاوی آسائشیں انسان کو حقیقی سکون فراہم نہیں کر سکتیں۔

روایت کے مطابق، انتیس برس کی عمر میں اپنے بیٹے راہول کی پیدائش کے بعد شہزادہ سدھارتھ نے دنیاوی زندگی ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے محل، اہلِ خانہ، دولت اور تمام شاہانہ آسائشوں کو خیر باد کہہ کر حق اور حقیقت کی تلاش کا سفر اختیار کیا۔ وہ ایک درویش اور جوگی کی حیثیت سے مختلف مقامات پر ریاضت، مراقبہ اور غور و فکر میں مصروف رہے۔ برسوں کی روحانی جدوجہد کے بعد انہیں بودھی درخت کے نیچے معرفت حاصل ہوئی اور وہ **گوتم بدھ یا روشن ضمیر** کے لقب سے معروف ہوئے۔ ان کی تعلیمات نے محبت، عدم تشدد، ہمدردی، اعتدال اور انسانی نجات کے تصور کو فروغ دیا، جس کے نتیجے میں بدھ مت ایک عالمی مذہب کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ تاریخی اور فکری پس منظر ناول جاگے ہیں خواب میں میں گوتم بدھ کے کردار کی معنویت کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے اور نو تاریخی تناظر میں متن کے تہذیبی اور فکری ابعاد کو مزید گہرائی عطا کرتا ہے۔

بدھ کی تعلیم کا لب لباب یہ تھا کہ انسان کی حالت کا مدار خواہ دنیا میں ہو، خواہ عقبیٰ میں اپنے ہی کرموں اور عملوں پر ہے۔ گناہ سے دکھ درد ملتا ہے۔ نیک کاموں کا انجام امن اور آسائش ہے۔ بدھ کا مقولہ تھا کہ دیوتاؤں کے خوش کرنے کو لاکھ قربانیاں وغیرہ کرو مگر اس سے اپنے کیے ہوئے گناہ مٹ نہیں سکتے۔ جو بوئے گا سو کاٹے گا، جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح اس کے عملوں کے موافق دوسری جونوں میں جاتی ہے اور بار بار پیدا ہوتی اور مرتی ہے۔ روح کو ابدی آرام اس وقت ملتا ہے جب انسان گناہ کے پھندے سے نکل جائے۔ دکھ درد، شہوات و لذات اور خواہشات و جذبات سے خالی، اور بری ہو جائے، نہ رنج کا رنج کرے، نہ خوشی کو خوشی مانے۔ دوست دشمن دونوں کو یکساں گنے اور برابر جانے۔ اس درجہ کمال کو بدھ کی اصطلاح میں نروان کہتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر روح آواگون سے چھوٹ جاتی ہے۔ اونچی نیچی جونوں میں ماری ماری پھرنے سے محفوظ رہتی ہے۔ دنیا جہان کے سمندر کے طوفان سے گزر کر ہمیشہ کے لیے بندرگاہ ان میں مقیم ہوتی ہے۔ اب گویا روح نے سکون مطلق حاصل کر لیا ہے۔ اب یہ اٹل اور اچل ہے۔ ہم چونکہ ناول کے تاریخی کرداروں کا ذکر کر رہے ہیں اس میں ایک اور اہم تاریخی کردار اصحاب کہف کا بھی ہے۔ ناول نگار نے بڑی خوبصورتی سے اس کردار کو ناول کا حصہ بنایا ہے۔

> "وہ اپنے اٹھائے ہوئے اس سوال کا جواب تلاش کر رہا تھا کہ اس کا دھیان اصحاب کہف کے واقعے کی طرف گیا۔ وہ کافی دیر تک ان لوگوں کے بارے میں سوچتا رہا، جو کئی سو برس تک ایک غار میں سوئے پڑے رہے تھے اور جب جاگے تو انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنا عرصہ حالت خواب میں رہے، یہاں تک کہ ان کا دھیان اپنے کتے کی طرف گیا جس کی ہڈیاں بھی گل چکیں تھیں۔" (۸)
>
> اِلَی الْکَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (۹)
>
> "جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی پھر بولے اے ہمارے رَبّ ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے کام میں ہمارے لئے راہ یابی (راہ پانے) کے سامان کر۔"

صحابِ کہف کا واقعہ قرآن مجید کی سورۂ کہف میں مذکور ہے، جہاں بیان کیا گیا ہے کہ چند نوجوان اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے ایک غار میں پناہ گزین ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے طویل مدت تک وہاں خوابیدہ رہے۔ یہ نوجوان ایک ایسے ظالم اور مشرک حکمران، **دقیانوس**، کے عہد سے تعلق رکھتے تھے جو جبر و استبداد کے ذریعے بت پرستی کو فروغ دیتا تھا۔ اصحابِ کہف کا تعلق معزز اور بااثر خاندانوں سے تھا، لیکن انہوں نے دنیاوی اقتدار اور مراعات کو ترک کر کے توحید کا راستہ اختیار کیا۔ ان کے مذہبی پس منظر کے بارے میں مفسرین اور مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک وہ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار تھے، جبکہ علامہ ابن کثیرؒ مختلف تاریخی قرائن کی بنیاد پر اس واقعے کو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کا قرار دیتے ہیں۔ تاہم اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ واقعہ پہلی صدی عیسوی کے اوائل میں پیش آیا۔

جب ان نوجوانوں کو شاہی دربار میں طلب کیا گیا تو انہوں نے کسی خوف و تردد کے بغیر اپنے ایمان کا برملا اظہار کیا اور ظالم حکمران کے سامنے حق و صداقت کی گواہی دی۔ ان کے اس بے مثال عزم و استقلال کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے" :**اور ہم نے ان کے دل** مضبوط کر دیے، جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا: ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے، ورنہ ہم نے یقیناً خلافِ حق بات کہی ہوگی۔) "سورۂ کہف: ۱۴)۔ اصحابِ کہف کا یہ واقعہ ایمان، استقامت اور ظلم کے خلاف مزاحمت کی ایک لازوال مثال ہے، جسے مختلف ادوار میں مذہبی، تاریخی اور ادبی تناظرات میں نئی معنویت کے ساتھ پیش کیا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول جاگے ہیں خواب میں میں اس واقعے کی شمولیت نو تاریخی بیانیے کو تقویت بخشتی ہے، کیونکہ یہ ماضی کے ایک معروف مذہبی واقعے کو معاصر فکری اور تہذیبی تناظر سے جوڑ کر متن کے معنوی دائرے کو وسیع کرتی ہے۔

یہ ہماری قوم جو معبود حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے فرضی معبودوں کو اختیار کیے ہوئے ہے۔ یہ ان کے معبود حقیقی ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتی؟ لہٰذا اس سے بڑا ظالم اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا جو اللہ پر بہتان باندھے یاں اللہ کا کوئی شریک بنائے اللہ ایک ہے اور کی ساری بادشاہی ہے۔ نوجوانوں کی یہ بات سن کر بادشاہ کو ان کی نوجوانی پر کچھ رحم آیا اور کچھ دیگر مشاغل مانع ہوئے اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ عمائدین سلطنت اور بڑے گھرانوں کے چشم چراغ تھے اس لیے یک لخت ان پر ہاتھ ڈالنا مصلحت کے خلاف تھا اس لیے ان کو چند روز کی مہلت دے دی، تاکہ وہ اپنے معاملہ میں غور کر لیں۔ ادھر یہ نوجوان دربار سے نکل کر مشورہ کے لیے بیٹھ گئے اور یہ طے کیا کہ اب اس شہر میں قیام خطرہ سے خالی نہیں، مناسب یہ ہے کہ کسی قریبی غار میں روپوش ہو جائیں اور واپسی کے لیے کسی مناسب وقت کا انتظار کریں۔ ناول میں ایسے تاریخی کردار کی پیش کش ناول کی خوبصورتی کو بڑھا دیتی ہے۔ ناول نگار نے صرف منتخب اور بامعنی کرداروں کے ذریعے کہانی کو خوبصورتی سے آگے بڑھایا ہے۔ اس سلسلے میں خورشید صاحب لکھتے ہیں۔

> "ناول نگار کردار کی زندگی اور اس کے مفروضہ اعمال میں قطع و برید کرتا ہے، یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کردار کے سارے خارجی اعمال دکھائے جائیں۔ یہ بھی ہرگز ضروری نہیں کہ اسے ایک خیال سے دوسرے خیال یا ایک احساس سے دوسرے احساس تک پہنچتے ہوئے دکھایا جائے۔ ذہنی زندگی کی لہروں میں بھی انتخاب کرنا چاہیے اور صرف اس داخلی عمل کو ناول میں جگہ دینی چاہیے جس کے بغیر صداقت کے ادھورے رہ جانے کا اندیشہ ہو۔ یہی نہیں بلکہ وہ داخلی عمل ایسا ہونا چاہیے جیسے ہماری عقل آسانی

کے ساتھ قبول کرے۔ دوسرے الفاظ میں زندہ فرد کے ذہنی اور خارجی اعمال ہمارے قابو میں نہیں ہوتے مگر ناول کا کردار ہماری دست قدرت کی گرفت میں ہوتا ہے۔ "(۱۰)

ناول ایسے کئی تاریخی مقامات اور کرداروں پر مشتمل ہے۔ جو اس ناول کو نو تاریخی بیانیہ کا ایک اہم سنگ میل قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاریخی بیانیہ کے حوالے سے محمد شاہد حمید لکھتے ہیں۔

"جاگے ہیں خواب میں مجھے اس قدر زیادہ متوجہ کرتا ہے۔ اس کا لوکیل ایسے علاقے کو بنایا گیا ہے جو کم از کم اردو فکشن کا حصہ ہوا ہے۔ پھر اس میں اس وقت کی تاریخی اور تہذیبی حوالوں سے پیچھے جا کر گرفت میں لینے اور سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔" (11)

اختر رضا سلیمی کا ناول جاگے ہیں خواب میں نو تاریخیت کے اصولوں کے مطابق ایک ایسا ادبی متن ہے جس میں تاریخ، اساطیر، مذہبی روایات، مقامی ثقافت اور اجتماعی حافظے کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے نئے معنوی امکانات پیدا کیے گئے ہیں۔ ناول نگار نے راجہ رسالو، سید احمد بریلوی، بہادر شاہ ظفر، مہاراجہ اشوک، مہاتما بدھ اور اصحابِ کہف جیسے تاریخی و تہذیبی کرداروں کو محض تاریخی حوالوں کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ انہیں معاصر فکری تناظر میں از سرِ نو تشکیل دے کر متن کی معنویت میں وسعت پیدا کی ہے۔ اس طرح ناول ماضی اور حال کے درمیان ایک بامعنی مکالمہ قائم کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ تاریخ ایک جامد حقیقت نہیں بلکہ ہر عہد میں نئے سماجی، ثقافتی اور فکری تناظرات کے مطابق دوبارہ پڑھی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہی خصوصیت اس ناول کو نو تاریخی تنقید کے لیے ایک اہم متن بناتی ہے۔

ناول میں تاریخی واقعات، لوک روایات، مذہبی حکایات اور مقامی تہذیب کے امتزاج سے ایک ایسا بیانیہ تشکیل پاتا ہے جو تاریخ کی سرکاری تعبیر سے ہٹ کر متبادل اور پوشیدہ بیانیوں کو سامنے لاتا ہے۔ اختر رضا سلیمی نے تاریخی کرداروں اور مقامات کو علامتی اور تہذیبی شعور کے ساتھ پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ ادب نہ صرف تاریخ سے اثر قبول کرتا ہے بلکہ تاریخ کی نئی تعبیر و تشکیل میں بھی فعال کردار ادا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے جاگے ہیں خواب میں اردو ناول میں نو تاریخیت کے عملی اطلاق کی ایک کامیاب مثال ہے، جہاں متن، تاریخ اور ثقافت ایک دوسرے کی معنوی تشکیل میں شریک ہو کر قاری کو ماضی اور حال کے باہمی ربط کو نئے زاویۂ نظر سے سمجھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ پروفیسر عتیق اللہ، نو تاریخیت اور اس کا پیش و پس، مضمون مشمولہ نو تاریخیت، مرتبہ ڈاکٹر نسیم عباس احمر، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۸ء ص:۷۵

۲۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، دستاویز لاہور، ۲۰۱۵ء، ص:۱۴

۳۔ ایضاً، ص:۴۵

۴۔ ایضاً، ص:۴۷

۵۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، عزیز بک ڈپو، لاہور، ۲۰۰۶، ص:۲۴۷

۶۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، دستاویز لاہور، ۲۰۱۵ء، ص:۱۷۷

۷۔ ایضاً، ص:۱۴۶

۷۔ ایضاً، ص:۱۰۴

۷۔ قرآن مجید، پارہ نمبر ۱۵، سورہ کہف، آیت نمبر ۹-۱۰

۱۰۔ ڈاکٹر خورشید الاسلام، تنقیدیں، سرفراز قومی پریس، لکھنؤ، اول ۱۹۵۷ء، ص :۹۷

۱۱۔ محمد حمید شاہد، گزشتہ چند برس اور اردو ناول، مشمولہ سہ ماہی ادبیات اسلام آباد، شمارہ نمبر ۱۲۴ء ۱۲۳ جنوری تا جون ۲۰۲۰ء، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد، ص:۲۹

References in Roman Script:

1. Professor Ateeq Ullah, Nau Tareekhiyat aur Us ka Pesh-o-Pas, mazmoon mashmoolah Nau Tareekhiyat, Murattib: Dr. Naseem Abbas Ahmar, Misal Publishers, Faisalabad, 2018, p. 75.
2. Akhtar Raza Saleemi, Jaagay Hain Khwab Mein, Dastavez, Lahore, 2015, p. 14.
3. Ibid., p. 45.
4. Ibid., p. 74.
5. Dr. Anwar Sadeed, Urdu Adab ki Mukhtasar Tareekh, Aziz Book Depot, Lahore, 2006, p. 247.
6. Akhtar Raza Saleemi, Jaagay Hain Khwab Mein, Dastavez, Lahore, 2015, p. 177.
7. Ibid., p. 146.
8. Ibid., p. 104.
9. Al-Qur'an al-Majeed, Para No. 15, Surah Al-Kahf, Ayat 9–10.
10. Dr. Khursheed-ul-Islam, Tanqideen, Sarfaraz Qaumi Press, Lucknow, First Edition, 1957, p. 97.
11. Muhammad Hameed Shahid, "Guzashta Chand Baras aur Urdu Novel," mashmoolah Seh Maahi Adabiyat Islamabad, Shumara Nos. 123–124, January–June 2020, Academy of Letters Pakistan, Islamabad, p. 29.